اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ ایجابی طور پر اس کا بدل کر دیا جائے۔ برن ہائم الیعاذ کے لئے ان الفاظ کو استعمال کرتا تھا۔ "میری طرف بغور دیکھو" "اب تم سونے والے ہو، تمہاری آنکھیں خمار آلود ہیں، تکان محسوس ہو رہی ہے، آنکھوں سے پانی نکلنے لگا، دھند طاری ہو گیا، لو وہ پلکیں جھپکنے لگیں۔ اب تم اپنی آنکھیں نہیں کھول سکتے، تم اب کچھ نہیں کر سکتے وغیرہ۔ اس کے بعد تحکمانہ لہجے میں کہتا تھا "سو جاؤ"

ہپناٹزم کے دوران میں ایک بار برن ہائم نے مریض سے کہا کہ وہ بیدار ہونے پر اسپتال میں جب داخل ہوگا تو اسے ہر چارپائی پر کتے لیٹے نظر آئیں گے۔ چنانچہ واقعی ایسا ہوا کہ معمول خود کو کتوں کے شفاخانے میں پاکر متحیر ہو گیا۔ برن ہائم کہتا ہے کہ یہ سب معمولی باتیں ہیں جو بآسانی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ ہم فطری طور پر بعض محض فرضی خیال کے تحت بہت سی حرکات کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً چہرے کو گانا سنتے وقت ایک خاص انداز سے بنانا اسی طرح ہاتھوں کو حرکت دینا۔ یہی باتیں بعض حالات میں حد درجہ بڑھ جاتی ہیں اور خیال اس قدر غالب آجاتا ہے کہ فی الفور حرکت شروع ہو جاتی ہے۔ جب ہم الیعاذ سے قوت متخیلہ کو بڑھا دیتے ہیں تو غیر معمولی باتیں رونما ہونے لگتی ہیں۔ اور ضروری نہیں کہ یہ صرف مریضوں تک محدود ہو بلکہ تندرستی کی حالت میں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہپناٹزم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ الیعاذ کی قوت سے غفلت طاری کر دی جائے۔ برن ہائم کی ان سادہ اور غیر پیچیدہ باتوں سے اس کے معاونین نے پورا فائدہ اٹھا کر ہپناٹزم کو کافی ترقی دی۔

برن ہائم اور اس کے شاگردوں نے اپنی کاوشوں کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اس بات کی بھی کوشش کی کہ الیعاذ سے عضویاتی تغیرات (PHYSIOLOGICAL CHANGES) رونما کئے جائیں تاکہ اس بات کا قطعی امکان بند ہے کہ ان پر فریب کا الزام عاید ہو۔ ۱۸۴۶ء میں شارپ گگن نے یہ کہا تھا کہ الیعاذ سے یہاں تک ممکن ہے کہ جسم پر چھالے پڑ جائیں۔ برن ہائم اس کو خوب سمجھتا تھا۔ چنانچہ اسی بات کو اس نے اٹھایا، اور تجربہ شروع کر دیا۔ کافی محنت و کاوش کے بعد یہ دیکھا گیا کہ جسم پر چھالے نمودار ہونے لگے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی طرح بھی جعلی حرکت نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد اس قسم کے تجربات۔ میبل۔ بورو اور سیگارڈ وغیرہ نے کئے اسی کے ساتھ ساتھ یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی کی گئی کہ آیا الیعاذ سے جرائم کرانا ممکن ہے یا نہیں۔

"الیعاذ مجرمانہ" (CRIMINAL SUGGESTION) کا مسئلہ ۱۸۸۷ء سے چلا آرہا تھا اور اس پر علی الترتیب

۱۸۸۵ء، ۱۸۸۶ء اور ۱۸۸۸ء میں جوزف پیرے، ڈیورنیڈ، بیلنگر، میکاریو اور شارکین نے طویل بحثیں کی تھیں۔ آخری کتاب اس پر ۱۸۸۶ء میں شائع ہوئی ۱۸۹۱ء میں برن ہائم نے ازسرِ نو اس مسئلے کو اٹھایا وہ لکھتا ہے۔ "یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ایحاذ میں کس حد تک قوت ہے میں نے معمول کے لئے ایک چھوٹا سا ڈرامہ کیا۔ اس کو ایک فرضی آدمی دکھایا جو دروازے پر کھڑا ہے اور یہ کہا کہ اس نے تمہاری بے عزتی کی ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے ہاتھ میں کاغذ کا چاقو دیا یہ بتاتے ہوئے کہ یہ خنجر ہے اور تم اس سے اسے مار دو۔ معمول نے تیزی سے جست کی اور دروازے میں خنجر بھونک دیا اور پھر ساکت و جامد کھڑا ہو گیا۔ وہ وحشیانہ انداز سے دیکھ رہا تھا اور بری طرح کانپ رہا تھا۔" اسی طرح لیگیو نے جو برن ہائم کا شاگرد تھا متعدد تجربات کئے اور یہ معلوم کر لیا کہ یہ سب کچھ ایحاذ کے ذریعہ ممکن ہے۔ "ایحاذ مجرمانہ" کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر لوگوں نے اعتراضات کئے اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا اس طرح جس سے جو جرم چاہیں صادر کرا سکتے ہیں۔ اور امن عامہ میں خلل پڑ سکتا ہے "Revue Philosophique" کی رپورٹ (۱۸۹۲ء پہلی جلد صفحہ ۲۵۶) نے بتایا کہ اس وقت پیرس میں دس ہزار "....." سے زیادہ اشخاص ایسے موجود تھے جن کو کسی قسم کے جرم پر بھی ابھارا جا سکتا تھا چنانچہ اس کے لئے قانونی تحفظ کی اپیل کی گئی۔ رپورٹ نے اس بات پر بھی متنبہ کیا کہ ہر مجرم پر مقدمہ چلاتے وقت یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ حالت ہپناطیقی میں تو نہیں تھا برن ہائم کے ان تجربات نے لوگوں میں غیر معمولی دلچسپی پیدا کر دی اور بہت سے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے لیکن برن ہائم کو یہ صرف تجربہ کی حد تک کرنا تھا اس نے آگے چل کر باقاعدہ امراض پر اس کا تجربہ شروع کر دیا اور یہ معلوم ہوا کہ ہسٹیریا، بعض امراض شکم، مشی فی النوم، وغیرہ اس سے بآسانی رفع کئے جا سکتے ہیں اس کامیابی سے نہ صرف یورپ کے ممالک میں نانسی اسکول کی شہرت عام ہو گئی بلکہ باہر امریکہ وغیرہ تک اس کا چرچا ہونے لگا۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ نانسی اسکول اپنے حریف شارکو کو برداشت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ دونوں میں شدید کشمکش شروع ہو گئی جو بالآخر شارکو کی شکست پر منتج ہوئی چونکہ برن ہائم یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ ہپناطیقیت کبریٰ فطری نہیں ہے بلکہ مشق کا نتیجہ ہے۔ ژانے کہتا ہے کہ میں بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچا کہ شارکو غلطی پر ہے کیوں کہ یہ دیکھا گیا کہ جب اس کے تجربات کو دہرایا تو وہ حالتیں اکثر رونما نہ ہو سکیں جن کو

شارکو نے بیان کیا تھا۔ اور دکھایا بھی تھا۔ لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہوگا کہ شارکو نے عوام کو دھوکا دیا؟ آخر یہ مشق کون کراتا تھا؟ کیا یہ سب کچھ بھی فریب تھا؟ ژانے اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شارکو نے خود کبھی کسی مریض پر جسکو مجمع عام میں لایا جاتا تھا ہپناطیقی کیفیت طاری نہیں کی بلکہ یہ اس کے تلامذہ کرتے تھے جو پہلے سے مریض کو ان حرکات کی مشق کرا چکتے تھے جن کو مجمع میں دکھانا ہوتا تھا۔ تو کیا پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ شارکو کے شاگرد خود اپنے استاد کو اور عوام کو دھوکا دینا چاہتے تھے ژانے نے بڑی کد وکاوش سے تحقیق کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ مریض عورتیں جن میں ہپناطیقیت کبریٰ کی علامتیں رونما ہوتی تھیں شارکو کے زیر علاج ہونے سے قبل ان تمام حالتوں سے بسبب بیماری گذر چکی تھیں اور یہ ہسٹیریا کے مریضوں کی خصوصیات ہیں۔ شارکو کے شاگرد صرف ان کو دہرانے تھے۔ ان خصوصیات کا علم پہلے بھی بہت سے لوگوں کو ہو چکا تھا۔ شارکو جس وقت سائنس اکادمی میں اپنا مقالہ پیش کر رہا تھا تو وہ خوب جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے سرے سے وہ نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف پچھلی باتوں کو سائنٹیفک دلائل بہم پہنچائے جا رہے ہیں۔ غرضکہ برن ہائم نے اس طرح شارکو کے مکتب فکر کو ایک سخت دھکا پہنچایا جس سے وہ کبھی عہدہ برآ نہ ہو سکا۔

۱۸۹۳ء میں شارکو کی وفات کے بعد توقع تو یہ تھی کہ برن ہائم کے اسکول کو مزید وسعت حاصل ہوگی لیکن ہوا اس کے برعکس۔ اس کے بعد نانسی اسکول کا زوال شروع ہوگیا۔ ۱۸۹۲ء سے لیکر ۱۹۰۶ء تک بے شمار کتابیں اور مضامین اس فن پر جرمنی، فرانس، روس، امریکہ اور انگلستان سے نکلتے رہے لیکن ۱۹۰۹ء میں یہ رفتار سست پڑ گئی۔ اور لطف یہ ہے کہ خود برن ہائم کی دلچسپی ادھر سے بہت کم ہوگئی۔ ژانے ہپناطیقیت کے زوال کے دو بڑے اسباب بیان کرتا ہے۔ ایک تو شارکو کی یہ غلطی کہ اس نے ہپناٹزم کی توجیہات بجائے نفسیات کے عضویات سے کیں۔ دوسرے وہ کشمکش جو دونوں اسکولوں میں رونما ہوئی اور مدت تک جاری رہی۔ پھر یہ کہ جو حد سے زیادہ جوش و خروش اس فن کے لئے ظاہر کیا گیا اسکا ردعمل بھی ہوا۔ لیکن یہ پہلو ہمارے نزدیک تمام تر سلبی ہیں۔ ایجابی حیثیت سے اس کا سبب یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ نے تحلیل نفسی کے طریقہ سے دنیا کو روشناس کرادیا جو ہپناٹزم سے زیادہ قابل قبول تھا۔ کیونکہ اس میں کوئی غیر سائنٹفک عنصر شامل نہیں ہے۔ ذیل میں ہم اس کی تفصیل

پیش کرتے ہیں۔

تحلیل نفسی

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ فروری ۱۸۸۲ء میں شارکو نے اکاڈمی میں اپنا مقالہ پیش کیا ۱۸۸۴ء میں نانسی اسکول کا منشور شائع ہوا اُن تمام واقعات نے فرانس کے اسکولوں کی شہرت عالمگیر کردی ۱۸۸۵ء میں فرائڈ اپنی بعض اعلیٰ تحقیقات کی وجہ سے وائنا (VIENNA) میں اعصابی امراض پر مدرس مقرر ہوا اور یہاں اس نے ایک سربرآوردہ شخص ڈاکٹر برِوکسے سے سند لیکر وظیفہ حاصل کیا اور اسی سال پیرس روانہ ہو گیا۔ پیرس میں یہ فوراً سالپیتیری اسکول میں طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا اور شارکو سے اچھے روابط قائم کرلئے۔ اور اس سے وعدہ کرلیا کہ اس کے لکچرز کا ترجمہ جرمن میں کریگا۔ فرائڈ کہتا ہے کہ شارکو کے ساتھ رہ کر سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے متاثر کیا وہ اس کی ہسٹیریا پر تحقیقات ہیں جو میرے چشم دید واقعات ہیں۔ ان ہسٹیریا کے مریضوں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ پیرس میں رہ کر فرائڈ کو شارکو سے مشوروں کا کافی موقعہ ملا، جن میں بعض حد درجہ مفید ثابت ہوئے۔ ۱۸۸۶ء میں فرائڈ وائنا واپس آیا۔ یہاں اس نے اپنے فرانس کے تجربات کو دہرایا لیکن اس کی کوئی قدر نہ کی گئی۔ سب سے پہلا اعتراض تو یہی تھا کہ مردوں میں ہسٹیریا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں یہ صرف نسوانی مرض ہے فرائڈ کے بیشتر مریض مرد تھے ڈاکٹر جوزف بروئر (JOSEPH BREUER) نے بتایا کہ لفظ (HYSTERON) کے معنی رحم (UTERUS) ہیں اور ظاہر کہ اس کا تعلق صرف عورتوں سے ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وائنا کی طبی مجلس سے فرائڈ کے اختلافات بڑھتے گئے اور آخر کار اس کو اسے خیرباد کہنا پڑا تقریباً پورے سال اسے کہیں لکچر دینے کا موقعہ نہ ملا اور اب اسے ذریعۂ معاش کے لئے صرف اپنے شفاخانے پر اکتفا کرنا پڑا جو اس نے نجی طور پر قایم کر لیا تھا۔ فرائڈ اپنے یہاں علاج کے صرف دو طریقے استعمال کرتا تھا۔ ایک بجلی کے ذریعہ جسے (ELECTROTHERAPY) کہتے ہیں اور دوسرا ہپناٹزم جس میں ثانی الذکر زیادہ موثر ثابت ہوا، اس میں دقت یہ پیش آتی تھی کہ ہر شخص پر کیفیت ہپناطیقی طاری نہیں ہوتی تھی۔ دوسرے یہ کہ بعض افراد میں گہری نیند یا غفلت نہیں پیدا ہوتی تھی۔ لیکن ان سب دقتوں کے باوجود بھی اس طریقہ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسی دوران میں فرائڈ نے نانسی اسکول کا شہرہ سنا اور

یہ طے کر لیا کہ وہ مزید تربیت حاصل کر کے اپنے طریقِ کار کے نقص کو دور کرے گا۔ چنانچہ ۱۸۸۹ء میں وہ نانسی روانہ ہو گیا اور وہاں جاکر برن ہائم کے عجیب و غریب کارنامے دیکھے۔ نانسی ہی کے دورانِ قیام میں فرائڈ کے ذہن پر اس خیال نے تسلط کر لیا تھا کہ ذہن میں بعض قوتیں شعوری سطح سے نیچے بھی ہیں جو برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔ اور شعور پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ نانسی جاتے وقت فرائڈ اپنے ساتھ ایک مریضہ کو بھی لے گیا تھا جو عرصے سے ہسٹیریا میں مبتلا تھی اور بار بار علاج کرنے کے بعد بھی بیماری عود کر آتی تھی اسے اس نے برن ہائم کے سامنے پیش کیا لیکن وہ اس علاج سے قاصر رہا۔ اس واقعہ سے اور ویسے بھی ایک عرصے تک وہاں رہ کر فرائڈ کو ہپناٹزم کے حدود کا اندازہ ہو گیا اور نانسی سے واپس آکر اس نے دوبارہ اپنا سابق کام شروع کر دیا۔

واپس آنے پر فرائڈ نے ڈاکٹر جوزف بروئر سے جو وائنا کا مشہور ڈاکٹر تھا تعاون حاصل کر لیا۔ بروئر اس زمانے میں ایک نوجوان لڑکی کا علاج کر رہا تھا۔ یہ لڑکی فالج تشنج اور انتشارِ ذہنی جیسے امراض میں مبتلا تھی اور اسے یہ تمام امراض اپنے والد کی تیمارداری میں جب کہ وہ بیمار تھا شروع ہوئے تھے۔ دورانِ علاج میں بروئر نے اتفاق سے یہ معلوم کر لیا کہ اگر ہپناطیقی حالت میں لڑکی سے کہا جائے کہ تم اپنے خیالات کا خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں آزادانہ اظہار کرو تو بعد میں اس سے اسے کافی سکون ہو جاتا تھا۔ اس کی بنا پر بروئر نے ایحاء کو تقریباً ترک کر کے اسے اپنا لیا۔ اور یہ واقعی بالکل نئی چیز ثابت ہوئی اس طریقہ کو بار بار استعمال کرنے سے یہ دیکھا گیا کہ مریضہ رو بصحت ہوتی چلی گئی۔ اور تمام محو شدہ خیالات با آسانی ذہن میں آنے لگے۔ اور بالآخر یہ سلسلۂ خیالات بچپن تک پہنچا جب کہ وہ لڑکی اپنے باپ کی تیمارداری میں مصروف تھی اور اسے یہ امراض شروع ہوئے تھے۔ بروئر اس نتیجے پر پہنچا کہ دورانِ تیمارداری میں اسے اپنی کسی تیز خواہش کو ضبط کرنا پڑا اور اس وجہ سے علامتیں رونما ہو گئیں۔ کیونکہ اس وقت اس کا ذہن متضاد خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کچھ عرصے بعد یہ لڑکی بالکل ٹھیک ہو گئی اور بروئر کو اپنے اس نئے طریقہ میں کامیابی ہوئی۔ فرائڈ کو یہ طریقہ بہت پسند آیا اور اس نے اپنے مریضوں پر اس کا اطلاق شروع کر دیا۔ ۱۸۹۳ء میں دونوں نے مل کر ایک مضمون بعنوان "ON the Psychical Mechanism of

"Hysterical Phanomena" شائع کرایا اور اس کے بعد ایک کتاب "Speel Studies" شائع ہوئی جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ انسانی زندگی میں جذبات و احساسات کو اہم ترین مقام حاصل ہے اور دوسرے یہ کہ ذہن کے متعلق گفتگو کرتے وقت شعور اور لاشعور کی تقسیم ضروری ہے لیکن یہ نظریات بہر حال نامکمل تھے اور اس وجہ سے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔

بروئر نے اپنے طریقہ کا نام "استہال" (CATHARSIS) رکھا تھا اور یہ ہپناطیقیت اور ایماء سے ایک اگلا قدم تھا۔ اس کے بعد اگلا قدم پھر فرائڈ نے رکھا جس کے بارے میں خود اسی کی یہ رائے ہے کہ ابھی میرے طریقے میں اضافے کے بہت امکانات باقی ہیں اور کافی گنجائش ہے یہ اگلا قدم کیسے اٹھایا گیا اسے فرائڈ نے اپنی سوانح حیات میں تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا ذکر ابھی آتا ہے کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد بروئر نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس کا سبب کچھ تو فرائڈ اور اس کے باہمی اختلافات تھے اور ایک اور اہم وجہ بھی تھی جسے ہم آگے بیان کریں گے۔ لیکن بروئر نے استہلال کا طریقہ معلوم کر کے فرائڈ کو آگے بڑھنے کا موقعہ بہم پہنچایا۔ یہ کچھ کام اسی قسم کا تھا جو لامارک (LAMARCK) وغیرہ ڈاروِن (DARWIN) کے لئے کر گئے تھے۔ فرائڈ نے اس پر تحلیل نفسی کا اضافہ کر کے نفسیات اور دیگر شعبوں میں ایک عالمگیر انقلاب برپا کر دیا۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھے اپنے سرعت سے بڑھتے ہوئے تجربات نے یہ بتایا کہ امراض کا سبب محض دبے ہوئے جذبات ہی نہیں ہیں بلکہ ان کی اصل نوعیت جنسی بھی ہے یعنی امراض کے پیچھے کچھ جنسی اسباب کام کر رہے ہیں۔ لیکن میں اس پر فی الحال کوئی فیصلہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"۱۹۱۴ء میں جب کہ میں تحلیل نفسی کی تاریخ مرتب کر رہا تھا میرے ذہن میں شارکو اور بروئر وغیرہ کے اشارات گھوم رہے تھے جو انھوں نے جنسیات کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کئے تھے اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر ہیولوک ایلس (HAVELOCK ELLIS) کے مضامین سے میرے اس خیال کو اور بھی تقویت پہنچی اور میں نے اس مسئلہ کو اپنے مطالعہ کا محور بنا لیا" —— گہرے مطالعہ

اور قریبی مشاہدے نے فرائڈ کو بتایا کہ مرضِ ضعفِ عصبی (NEURESTHENIA) کے پیچھے مریضانہ جنسی اسباب کثرتِ جلق، سرعتِ انزال، یا خواہش جنسی کو حد سے زیادہ دبائے رکھنا وغیرہ کام کر رہے ہیں۔ اس سبب سے اس کو امراضِ ذہنی میں جنسی اسباب کی اہمیت کا سچا یقین ہو گیا اور اب اس نے اس پر برابر مضامین لکھنا شروع کئے، لیکن ان کا بجز ایک محدود حلقہ کے کہیں خیر مقدم نہیں ہوا آخر کار ہپناطیقیت کی محدودیت اور اس تحقیق نے فرائڈ کو اس بات پر ابھارا کہ وہ اب کوئی ایسا طریقہ علاج دریافت کرے جو اول الذکر سے زیادہ موثر ثابت ہو۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کو ایک اور دقت پیش آئی اور یہ وہی تھی جس نے بروئر کو اس پیشے سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

بروئر جس نوجوان مریضہ کا علاج کر رہا تھا اس نے صحت مند ہونے کے بعد اپنے معالج سے اظہار عشق شروع کر دیا، جو برابر شدت اختیار کرتا گیا۔ بروئر کے لئے یہ چیز سخت پریشان کن تھی اور بجائے اس کے کہ وہ اس کی تحقیق کرے وہ سرے سے اپنے پیشے ہی کو چھوڑ بیٹھا۔ فرائڈ نے اس واقعہ کو گہری نظر سے دیکھ لیا تھا اور کسی طرح بھی اس کو بے معنی نہیں سمجھا تھا۔ جس وقت خود فرائڈ کے ساتھ یہ ہوا تو وہ کمال دانش مندی سے اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ یہ عشق تمام تر مصنوعی ہے اور کسی پہلے فراموش کردہ عشق کا احیاء ہے جو (CATHARSIS) کے سبب سے شعوری سطح پر آکر اپنا اظہار کر رہا اور اب تک لاشعور کی تاریکیوں میں پنہاں تھا فرائڈ نے اس کا نام ”منتقل شدہ محبت“ (TRANSFERRED LOVE) رکھا یہ تحلیل نفسی میں ایک اہم ترین چیز ہے۔ اس دقت نے مزید اسے کوئی نیا طریقہ دریافت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور ممکن صورت ہو سکتی تھی تو وہ یہی تھی کہ بجائے غفلت کے عالم بے داری میں ”اسہال“، کو عمل میں لایا جائے۔ اس خیال کے آتے ہی اس کا ذہن ایک ایسے واقعہ کی طرف پلٹا جو نانسی کے دوران قیام میں اس نے دیکھا تھا یہی وہ واقعہ ہے جس سے مدد لے کر فرائڈ نے فیصلہ کن قدم اٹھایا اور بالآخر وہ طریقہ معلوم کر لیا جسے ہم تحلیل نفسی کے نام سے جانتے ہیں —— وہ واقعہ یہ تھا کہ برن ہائم کے بعض مریض ہپناطیقی کیفیت کے ختم ہونے کے بعد وہ تمام باتیں بھول جاتے تھے جو اس عالم میں وہ بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن برن ہائم اس بات پر مصر تھا کہ یہ ساری باتیں

ان کے حافظہ میں موجود ہیں اور اس کا ان کو قطعاً شعور نہیں ہے لیکن اگر عالمِ بیداری میں پیہم اس بات پر زور دیا جائے کہ وہ ان کو بیان کریں اور نیز یہ کہ وہ سب باتیں دہرائی بھی جائیں تو ممکن ہے مریض کو یاد آجائیں اور وہ ان کو بیان کرنے لگے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ برن ہائم اس اہم ترین نقطہ کو نظر انداز کر گیا ورنہ اگر وہ اس بات پر تجربات شروع کر دیتا تو ممکن تھا تحلیل نفسی کا بانی بجائے فرائڈ کے برن ہائم ہوتا اور آسٹریا کے بجائے فرانس کو یہ سعادت نصیب ہوتی۔ مزید یہ کہ برن ہائم عرصے سے ہپناطیقیت کا استعمال کر رہا تھا اور فرائڈ کی بہ نسبت وہ اس کے نشیب و فراز سے زیادہ واقف تھا اور لیبالٹ کے سارے تجربات اس کی آنکھوں کے سامنے تھے پھر بھی اس کی نظر اس پر نہ پڑ سکی۔ فرائڈ اس بات کو بھی اسی طرح سمجھ گیا جس طرح اس نے جنسی مسئلہ کو سمجھا تھا، یا بروئر کے حالات میں جبلی اور مصنوعی عشق کو۔ اس خیال کے پیش نظر فرائڈ نے فوراً اپنا رخ بدل دیا اور برن ہائم کے اصول پر تجربات شروع کر دیئے یہ طریقہ "تحلیل نفسی" (PSYCHOANALYSIS) ہے۔ فرائڈ کا دستور یہ تھا کہ وہ مریض کو ایک نرم صوفے پر لٹا رکھتا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دے اور بالکل آرام سے لیٹے جائے۔ اس کے بعد جو کچھ خیال اس کے ذہن میں آئے وہ فوراً اسے زبان سے ادا کر دے، وہ خود اس طرح مریض کے پیچھے بیٹھ جاتا تھا کہ اس کی (مریض کی) نگاہ اس پر نہ پڑ سکے یہ تحلیل نفسی کی مخصوص تکنیک ہے۔ جسے فرائڈ برابر استعمال کرتا رہا۔ مریض کے ذہن سے نکلے ہوئے خیالات دراصل مرض کی تشخیص کا ذریعہ ہیں اس کے علاوہ وہ خواب جو مریض دیکھتا ہو ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اب غور یہ کرنا ہے کہ تحلیل نفسی کا اصل الاصول کیا ہے؟

سارے ذہنی امراض یعنی وہ جو نفسیاتی اسباب کی بنا پر رونما ہوتے ہیں ان دبی ہوئی خواہشات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں جو لاشعور میں موجود رہتی ہیں اور کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ ان کی وجہ سے برابر ایک کشمکش جاری رہتی ہے جس سے انسان بالکل غافل ہوتا ہے کیونکہ وہ لاشعور میں واقع ہوتی ہے لیکن اس کے تباہ کن اثرات مستقل شعور پر پڑتے رہتے ہیں جس سے ذہنی صحت خراب رہتی ہے تحلیل نفسی سے چونکہ لاشعوری خیالات ابھر آتے ہیں اس لئے یہ کشمکش بھی شعوری سطح پر آجاتی ہے اور

انسان کو اس سے ختم کر دینے میں دقت نہیں ہوئی۔ اور اس طرح اس کے اثرات سے ذہن محفوظ ہو جاتا ہے۔ تحلیل نفسی کی اصطلاح دراصل ان تمام نظریات کے لئے استعمال ہوتی ہے جن کو فرائڈ نے علم طریقہ کو دریافت کر لینے کے بعد برابر پیش کرتا رہا۔ جن میں نظریہ لاشعور، جنس، خواب، اور نظریہ حیات و موت اہم ترین ہیں۔ لیکن ہم کو اس وقت انھیں پیش کرنا مقصود نہیں ہے۔

ان مختصر اشارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحلیل نفسی ہپناٹیزم، ایجاد اور مسمرازم کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ اور کوئی اتفاقی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح نیوٹن کے لئے کوپرنیکس، کپلر اور گلیلیو نے زمین ہموار کی اسی طرح فرائڈ کے لئے لیبالٹ، شارکو اور برن ہائم نے کی، فرائڈ نے بیشتر باتیں فرانس کے اسکولوں سے حاصل کیں اور ان پر اپنا ایک مخصوص نظام فکر تعمیر کیا۔ جو اوروں سے بالکل مختلف تھا۔ اور یہی اس کا اصل کارنامہ ہے اور اگر وہ ہپناٹزم کے فرسودہ طریقہ پر قناعت کر لیتا تو غالباً جدید نفسیات نا سدہ اسی مقام پر ہوتی جس پر وہ مسمر کے زمانے میں تھی کیوں کہ پیرس اور نانسی کے اسکول جو اس کی ترقی کا باعث تھے آپس کی کشمکش سے ختم ہو چکے تھے اور ہپناٹزم کی بھی کوئی وقعت باقی نہ رہی تھی۔

جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات

"بین الاقوامی سیاسی معلومات" میں سیاسیات میں استعمال ہونے والی تمام اصطلاحوں قوموں کے درمیان سیاسی معاہدوں، بین الاقوامی شخصیتوں اور تمام قوموں اور ملکوں کے سیاسی اور جغرافیائی حالات کو نہایت سہل اور دلچسپ انداز میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے، یہ کتاب اسکولوں لائبریریوں اور اخباروں کے دفتروں میں رہنے کے لائق ہے، جدید ایڈیشن جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے قیمت مجلد آٹھ روپے (عہ) علاوہ محصول ڈاک۔

تمدنی۔ ثقافتی۔ جغرافیائی۔ مذہبی اسباب جنھوں نے ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقا میں حصہ لیا

از
(جناب ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی)

"یہ مختصر سا مقالہ دراصل ایک مستقل امتحانی سوال کا جواب بصورت کلاس لیکچر ہے۔ اور اسے بعض طلبار نے فوراً قلمبند بھی کر لیا تھا اسے مفید سمجھ کر یہاں اسے اسی حالت میں پیش کیا جاتا ہے اگرچہ اس میں بعض جگہ تقدیم و تاخیر کی شکایت ضرور ہوگی مگر اس کی افادیت کو مدِنظر رکھنا چاہیئے۔"

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلامی فنِ تعمیر اپنی روح کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز عالم گیر وحدت کا حامل ہے اور اس کی چند امتیازی خصوصیات بلا لحاظ جغرافیائی و سیاسی اختلافات کے تمام اسلامی عمارات میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چین۔ ترکی۔ مصر۔ عراق۔ شام۔ ایران۔ افغانستان۔ ہندستان اور پاکستان کی اسلامی عمارات میں بعض چیزیں قدرِ مشترک کے طور پر پائی جاتی ہیں۔ جن کی بنا پر ہم صاف طور پر غیر اسلامی اور اسلامی عمارات میں امتیاز کرتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی فنِ تعمیر دنیا کے ہر حصہ میں ایک ہی ہے۔ اور مسلم فن کاروں نے فنِ تعمیر کا ایک مخصوص سانچہ تیار کر لیا تھا جس کے مطابق وہ ہر جگہ لگے بندھے اصول پر عمارات تعمیر کرتے رہے بلکہ اس کے برعکس مسلم فن کاروں نے ہر جگہ کے مقامی حالات اور مذہبی، تمدنی ثقافتی اور جغرافیائی خصوصیات کے پیشِ نظر عمارات تعمیر کیں۔ مسلمانوں (بالخصوص عربوں) کو اس چیز میں کمال حاصل تھا کہ وہ اسباب و علل کے ساتھ بہت جلد مطابقت و ہم آہنگی پیدا کر لیتے تھے ان کی طبیعت میں ایسی جدت اور اپچ تھی اور ان کی تخلیقی قوتیں اس قدر بیدار تھیں کہ وہ مختلف حالات کو الف میں فوراً ایک

نئے تمدن۔ نئی تہذیب اور نئی ثقافت کی داغ بیل ڈال دیتے تھے جو وہاں کے مقامی اور مخصوص حالات سے پوری پوری مطابقت اور کامل سازگاری رکھتی تھی۔ یہی سبب ہے کہ سپین۔ ترکی۔ مصر۔ عراق شام۔ ایران۔ افغانستان۔ ہندوستان اور پاکستان کی عمارات میں چند اصولوں کے اتحاد کے باوجود ظاہری اختلاف اور تنوع بھی موجود ہے۔ ہر جگہ کی عمارت اپنی مخصوص انفرادی و امتیازی خصوصیات رکھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ کی اسلامی تعمیرات نے ایک نیا روپ لیا ہوا ہے اور وہی ہر جگہ ایک واحد طرز اسلامی میں جلوہ گر ہوا ہے۔ گویا عروسِ فنِ تعمیر اسلامی کی عشوہ طرازیاں۔ دلفریب ادائیں۔ دلربا ناز و ادا ہر جگہ اچھوتے اور نئے ہیں۔ جلووں کی بوقلمونی اور زرنگار رنگی طلسمات کا عالم پیدا کرتی ہے

اس لحاظ سے ہندی اسلامی فن تعمیر کا مطالعہ بالخصوص بے حد دلچسپ اور بصیرت افروز ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان اسباب و عوامل کا کھوج لگائیں جنہوں نے ہندی اسلامی فن تعمیر کے ارتقا میں مل جل کر حصہ لیا ہے زیرِ نظر مضمون میں ہم انھیں اسباب و عوامل سے بحث کریں گے۔

یوں تو ہندی اسلامی فن تعمیر کے ارتقا میں متعدد اسباب و عوارض نے مل جل کر حصہ لیا ہے لیکن ان میں حسبِ ذیل عوامل سب سے زیادہ اہم ہیں۔

(۱) تمدنی اسباب

(۲) ثقافتی اسباب

(۳) جغرافیائی اسباب

(۴) مذہبی اسباب

(۱) تمدنی اسباب

مسلمان اس ملک میں فاتح کی حیثیت سے زیرِ قیادت محمد بن قاسم ۷۱۲ء کو داخل ہوئے وہ یہاں ایک مختلف و بلند و ارفع تمدن ہمراہ لائے تھے۔ لیکن ان کی نظر وسیع اور تعصبات سے بالا تھی انھوں نے فوراً دیبل میں اپنے لئے ایک الگ محلہ وضع کر کے ایک مسجد بھی وہاں قائم کرلی تھی جو اس امر کی دلیل ہے کہ یہاں کی عمارات ان کی مرضی کے مطابق نہ تھیں۔ وہ بہت جلد یہاں کے

باشندوں سے گھُل مِل گئے۔ انہوں نے بہت جلد حاکم و محکوم کے امتیازات کو دور کر دیا انھوں نے ان کے رسم و رواج۔ رہن سہن۔ بود و باش کو نہایت قریب سے سمجھنے کی کوشش کی اور اس طرح ہندو سندھ سے اسلامی تمدن و ثقافت کے نفوذ کی آہستہ آہستہ ابتدا ہوئی جیسا کہ حاکم قومیں کیا کرتی ہیں۔ بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے غرض کہ ایک حسین امتزاج بھی رونما پذیر ہوا جسے بعض ہندی اسلامی تمدن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی بدولت اس تمدن میں بے حد وسعت پیدا ہوتی گئی۔ مسلمان اس ملک میں بہت سی نئی چیزیں لے کر آئے تھے جن سے اس ملک کے باشندے ناآشنائے محض تھے۔ ان چیزوں کی بدولت یہاں کے فنِ تعمیر میں بالخصوص غیر معمولی وسعت پیدا ہوئی جس سے ہندو لوگ ناآشنائے محض تھے مثلاً

(۱) **حمام** ۔ اس ملک میں نہانے کے لئے حماموں کا قطعاً رواج نہ تھا۔ اس کے برعکس مسلمان بغداد۔ بصرہ۔ قاہرہ۔ قرطبہ اور دیگر اسلامی شہروں میں نہایت اعلیٰ سائنٹیفک اصولوں پر آرام دہ اور شاندار حمام بکثرت تعمیر کر چکے تھے۔ مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی یہاں بھی حماموں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا اور رفتہ رفتہ اس نے اس قدر ترقی کی کہ ملک میں مختلف قسم کے لاتعداد حمام تعمیر ہو گئے۔ اس چیز نے ہندی اسلامی فن تعمیر کے فروغ و ارتقا میں بڑا حصہ لیا۔ عبد الرحیم خان خاناں ہندوؤں کے اس نعمت سے محروم ہونے پر تاسف کا اظہار کرتا ہے۔

(۲) **پردہ** ۔ اس ملک میں پردہ کا رواج نہ تھا۔ لیکن مسلمانوں کے آنے کے بعد یہاں پردہ کا رواج ہو گیا۔ پہلے جو مکانات تعمیر کئے جاتے تھے ان میں پردہ کا لحاظ رکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی مگر اب جو مکانات تعمیر ہونے شروع ہوئے ان میں پردہ کا خاص لحاظ و خیال رکھا گیا۔ اس طرح مکانات کی ساخت میں تبدیلیاں آئیں۔ اور اس طرز پر جو عمارات تعمیر ہوئیں انھوں نے ملک کے مجموعی فن تعمیر پر اپنا اثر کیا۔ اور اس طرح فن تعمیر ہندی اسلامی کے ارتقا میں بہت بڑا حصہ لیا۔

(۳) **صحن** ۔ پھر ہندو تنگ و تاریک صحن بنانے کے عادی تھے۔ ان کے مکانات کے کمرے بھی تاریک۔ غیر کشادہ اور گھٹواں ہوتے تھے۔ مسلمان جہاں زندگی کے ہر شعبے میں وسیع النظر اور

وسیع المشرب واقع ہوئے تھے ان کی عمارات بھی وسیع - فراخ - کھلی - ہوادار اور روشن (...) ہوتی تھیں اس چیز نے بھی یہاں کے فن تعمیر کے ارتقاء پر اثر ڈالا - اور اب جو عمارات تعمیر ہوئیں ان میں وسیع دالان - فراخ کمرے - کشادہ صحن - روشنی اور ہوا کے لئے بہت سے دروازے اور کھڑکیاں تھیں۔

(۴) **رفاہِ عامہ** - رفاہِ عامہ سے دلچسپی اسلامی تمدن کی ایک نمایاں خصوصیت ہے مسلمان سلاطین نے اس ملک میں بے شمار کنوئیں - سرائیں - تالاب - حوض - سڑکیں - بند پُل - مدرسے کالج اور شہر تعمیر کرائے - بالخصوص فیروز شاہ تغلق اور شیر شاہ سوری نے تو اس سلسلہ میں بے مثال کارنامے انجام دئے - فیروز تغلق کے عہد میں بلدیت (Town Planning) نے بے حد فروغ حاصل کیا - اُس کے عہد میں بارہ ۱۲ سو نئے شہر تعمیر ہوئے - ان عمارات کی بدولت "ہندی اسلامی فنِ تعمیر" نے بے حد ترقی کی -

(۳) ثقافتی اسباب

ثقافت یا کلچر ہمیشہ تصادم اور غلبہ کے بعد اپنے عمل کی ابتدا کرتی ہے - اسلامی ثقافت ہندوستان کے تصادم اور ان پر غلبہ کے بعد یہاں معرض ظہور میں آئی - جب میدانِ جنگ سے فارغ ہو کر دونوں قومیں حاکم و محکوم کی حیثیت سے بزم آرائی کی طرف متوجہ ہوئیں تو ایک اسلامی ہندی ثقافت نے جنم لیا جس میں ہند و مقامی عنصر ضرور آیا - لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلامی ہندی ثقافت پر ہمیشہ زیادہ تر ایرانی ثقافت غالب رہی ہے - بلکہ آج بھی ہم جس ثقافت کو "اسلامی ثقافت" سے تعبیر کرتے ہیں - اس میں معتد بہ حصہ ایرانیوں ہی کا ہے - ابتدا میں اگرچہ عربوں کا اثر یہاں کی ثقافت پر غالب رہا جیسا کہ بلاذری بیان کرتا ہے کہ لوگ عربی بولتے تھے اور ان کے مطابق شہری زندگی گذارتے تھے لیکن عربی ممالک سے براہِ راست تعلقات فوراً اور جلد منقطع ہونے پر سلاطین غزنہ کے پے در پے حملوں کی وجہ سے ایران و توران کے اثرات بہت زیادہ ہو گئے اور اخیر تک برقرار رہے بلکہ وہی لوگ یہاں قابض ہو گئے اور وہی لوگ یہاں پھلے پھولے - بلکہ بعد میں ہمایوں کے زمانہ سے تو یہ اثر بہت ہی بڑھ گیا - اور زبان - ادب - تمدن - ثقافت - تصوف

حتّی کہ مذہب تک پر ایرانی اثر غالب آگیا۔ اس چیز کا اثر ہندی اسلامی فنِ تعمیر پر بھی پڑا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی عمارات مسجد قوت الاسلام۔ ڈھائی دن کا جھونپڑا۔ قطب مینار۔ علائی دروازہ وغیرہ میں عربی ایرانی اثر بہت غالب ہے۔ لیکن ہندی فن کاروں نے اس اثر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈال دیے۔ بلکہ انھوں نے اپنی اس چابک دستی اور فن کاری کو جو وہ ہزار ہا سال سے مندروں کی تعمیر میں صرف کر رہے تھے۔ نیز سنگ تراشی میں حیرت انگیز کمال اور پتھر میں نہایت نازک نفیس اور باریک کھدائی یا منبت کاری کی مہارت کو ان عمارات میں صرف کیا۔ چنانچہ ابتدائی اسلامی تعمیرات میں ہندی طرزِ تعمیر کے اثرات پہلو بہ پہلو ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقا میں حصہ لیتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ ابتدا میں سامانِ عمارت کی تنگیاں ضرور تھیں مگر پھر بھی ان عمارات کے شاندار ایوان۔ عظیم الشان محرابیں پُر اثر مینا یاں۔ گھڑیا کمانیں جو خالص اسلامی اسلوب تھے اور ان کے ساتھ ساتھ نہایت نفیس سنگ تراشی بے حد نفیس و نازک کھدائی کا کام وغیرہ خوبیوں نے مل کر یہاں کے فنِ تعمیر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

(۲) ایرانی ثقافت کا اثر یہاں کی بعد کی عمارات پر نہایت نمایاں ہے۔ عمارات پر حسین و جمیل گل بوٹے۔ نفیس و نازک پودے اور بیلیں۔ گل دان۔ صراحیاں۔ گلاب دانیاں۔ پادڈر دانیاں۔ گلاس مشجر زرے۔ نقاشی۔ گل کاری اور اس کے ساتھ ہی چمن بندی۔ خیاباں بندی۔ تمام ایرانی اثر کی غمازی کرتے ہیں۔ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ جو علاقے ایران سے زیادہ قریب ہیں ان کی عمارات پر یہ اثر اور بھی زیادہ نمایاں ہے ملتان اور لاہور کی خشتی عمارات۔ ان میں رنگین کاشی کاری۔ ٹائل ورک۔ بکثرت پھول پتیاں اور نقش و نگار ایرانی ثقافت کے اثرات کو نمایاں کرتے ہیں۔

(۳) ایرانی اثرات کے ساتھ ہی ہندی ثقافت کے اثرات بھی پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ اکبر کے عہد میں تو یہ اثرات اور بھی گہرے اور نمایاں ہوگئے ہیں۔ اس عہد کی عمارات میں ڈھتی (Entablature) اور کمانی (Arcuate) نظام کا امتزاج۔ دیوار گیریوں (Brackets) کا استعمال جو بی الاصل طرز پر عمارات کی تعمیر (بالخصوص فتح پور سیکری اور لاہور کے قلعہ کے محلات میں) علاوہ ازیں عہد اکبری کی اکثر عمارات میں ایک خاص نقش (Hamsa) پرندے کا استعمال۔ دیواری مصوری میں ہندی ماحول یہ تمام چیزیں

خالص ہندی اثر کو ظاہر کرتی ہیں۔

(۴) ذوقِ جمالیات۔ جمالیاتی ذوق بھی اس ثقافت کی ایک نمایاں علامت تھی۔ یہاں کے سب مسلمان حکمران بالعموم اور مغل حکمران بالخصوص ذوقِ جمالیات کے حامل تھے۔ وہ قدرتی مناظر کے بھی بے حد شائق و دلدادہ تھے۔ اس کا اثر یہاں کی عمارات پر بھی پڑا۔ انھوں نے اکثر عمارات کے لئے نہایت حسین موزوں اور عمدہ محل وقوع منتخب کئے۔ شیر شاہ و دیگر بادشاہوں کے روضوں کی جھیل میں تعمیر۔ مانڈو کی اکثر عمارات میں بالخصوص ہنڈولہ محل۔ جہاز محل اور ہوا محل اپنے محل وقوع اور حسین قدرتی مناظر کے لحاظ سے دنیا کی تمام عمارات پر بازی لے گئی ہیں۔ اسی طرح دریائے جمنا کے کنارے لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی کی تعمیر۔ دریائے راوی کے کنارے قلعۂ لاہور۔ شاہی مسجد لاہور (پہلے دریائے راوی یہیں سے ہو کر گزرتا تھا) اور مقبرہ جہاں گیر کی تعمیر اور سب سے بڑھ کر تاج محل آگرہ کی دریائے جمنا کے کنارے پر تعمیر مغلوں کے اس ذوق کی منہ بولتی تصویر ہے۔ پھر عمارات کے ساتھ باغات کا بنانا بھی مغلوں کا ایک امتیازی وصف ہے اگرچہ اس کا رواج مغلوں سے قبل مسلمانوں میں ہو چکا تھا لیکن مغلوں نے اس کو بے حد ترقی دی۔ ہمایوں کا مقبرہ۔ جہاں گیر کا مقبرہ اور تاج محل آگرہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ علاوہ ازیں مغلوں نے اپنی عمارات میں حسین قدرتی مناظر اور سیر و شکار کے نظاروں کو ایسی خوبی کے ساتھ پیش کیا کہ آج بھی اُن کے ذوقِ جمالیات کی داد دینی پڑتی ہے۔

غرض کہ ان تمام چیزوں نے مل کر ثقافتی لحاظ سے بھی ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقا میں جمالیات نے بہت بڑا حصہ لیا۔

(۳) جغرافیائی اسباب

جغرافیائی عوامل نے بھی ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقا میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ ملک کے مختلف حصّوں میں مختلف جغرافیائی حالات و کوائف کے ماتحت مختلف قسم کے "دبستان ہائے فنِ تعمیر" ظہور میں آئے۔ جن میں سے مشہور یہ ہیں۔

(۱) پنجاب کا دبستانِ فنِ تعمیر۔ اس کے پھر دو حصے ہیں۔

(الف) دبستانِ ملتان

(ب) دبستانِ لاہور

(۲) سندھ کا دبستانِ فنِ تعمیر

(۳) دکن میں عمارات سلاطین بہمنی جو گلبرگہ۔ دولت آباد۔ بیدر میں بے شمار ہیں۔ ان کے بعد احمد نگر۔ بیجاپور۔ گولکنڈہ کا دبستانِ فنِ تعمیر

(۴) گجرات کا دبستانِ فنِ تعمیر

(۵) احمد آباد " " " "

(۶) مشرقی سلاطینِ بہار کا دبستانِ فنِ تعمیر

(۷) خاندیش کی عمارات جو عماد شاہی وغیرہ خاندانوں کی عمارات ہیں۔

(۸) مانڈو اور دہار کا دبستانِ فنِ تعمیر

(۹) کشمیر کا دبستانِ فنِ تعمیر

(۱۰) راجپوتانہ کا دبستانِ فنِ تعمیر

(۱۱) دہلی میں ابتدائی اسلامی۔ اس کے بعد عہد علائی اور تغلق و سادات و لودھی خاندانوں کی عمارات خاص امتیاز رکھتی ہیں۔

(۱۲) مغل جس میں اکبر کا خاص انداز آگرہ میں اکبر و جہاں گیر اور سب سے بڑھ کر شاہجہاں کی عمارات ایک امتیاز رکھتی ہیں۔

(۱۳) بنگال کا دبستانِ فنِ تعمیر

ان متنوع و مختلف دبستان ہائے فنِ تعمیر نے ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقا میں گراں قدر حصہ لیا مسٹر فرگسن نے ان کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں انتہا درجہ تنوع۔ وسعت۔ لچک اور نفاست پیدا کر دی۔ جس علاقہ میں جس قسم کی آب و ہوا تھی وہاں اسی کے مطابق عمارات تعمیر کی گئیں مثلاً بنگال میں بارش کی بے حد کثرت تھی۔ جس کے سامنے معمولی قسم کی چھتیں نہیں ٹھہر سکتی

تھیں۔ لہٰذا وہاں کی عمارات میں ہمیں ایک مخصوص قسم کی چھت نظر آتی ہے۔ جس کو اس قدر شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس کا نام ہی بنگالی چھت پڑ گیا ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اس سے استفادہ کیا گیا۔ مثلاً قلعہ لاہور میں عمارت نولکھہ اور بیگم پورہ (لاہور) میں محمد شاہی دور کی مسجد زکریا خاں" میں بنگالی چھت کا استعمال کیا گیا ہے علاوہ ازیں بنگال میں بارش کی کثرت کے باعث معمولی آثار کی عمارات نہیں ٹھہر سکتی تھیں۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں کی عمارات کے آثار نہایت بھاری بھرکم اور سنگین ہیں جس سے ان میں نزاکت مفقود ہے گور و پنڈوا کی تمام مساجد مثلاً آدینہ مسجد۔ سونا جامع مسجد وغیرہ میں دیواروں کے آثار بہت بھاری بھرکم اور پُرشکوہ ہیں۔ اسی طرح ملتان میں انتہائی شدید گرمی پڑتی ہے وہاں کی مٹی بہت کمزور ہے۔ لہٰذا سنگینی و استحکام حاصل کرنے نیز موسم کی شدت سے محفوظ رہنے کی خاطر وہاں بھی سنگین اور بھاری بھرکم عمارات تعمیر کی گئیں نیز وہاں کی عمارات کی زمین کی خرابی کی وجہ سے ڈھلواں ( ) دیواریں حضرت رکن عالم کے مقبرہ میں استعمال کی گئیں۔ نیز وہاں کی عمارات کی دیواریں نیچے کی طرف سے زیادہ موٹی ہیں اور اوپر کی طرف کم موٹی ہوتی جاتی ہیں۔ یہ طرز ملک کے دوسرے حصوں میں بھی مثلاً دہلی میں محمد تغلق کی عمارات میں نظر آتا ہے۔ اور اس طرح فنِ تعمیر کے ارتقا کا باعث ہوا اور یہ ڈھلوان دیواریں عہد تغلق تک محدود رہیں۔

بعض مقامات پر قدرتی طور پر نہایت عمدہ محل وقوع ( ) میسر آیا۔ مثلاً مانڈو کی عمارات اپنے قدرتی ماحول اور دلکش مناظر کے لحاظ سے ملک کی تمام عمارات پر فوقیت لے گئیں ملک کے دوسرے حصوں مثلاً دہلی۔ آگرہ اور لاہور وغیرہ میں بھی یہ فضا اور ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس سے "ہندی اسلامی فن تعمیر" کے ارتقا میں بہت بڑی مدد ملی۔

پھر یہ کہ مختلف علاقوں میں مختلف قسم کا عمارتی مصالحہ (Building Material) ملتا تھا۔ اس لئے یہ ناگزیر تھا کہ اس بنا پر عمارات کے طرزِ تعمیر میں اختلاف و اختلاط ضرور ہوتا۔ اسی بنا پر ہم پنجاب اور راجپوتانہ کے طرزِ تعمیر اور عمارات میں زبردست اختلاف پاتے ہیں۔ پنجاب کے

میدانوں میں پتھر نایاب تھا۔ اس لئے وہاں خشتی طرز تعمیر مقبول ہوا۔ ملتان میں مقبرہ رکن عالم مقبرہ بہاء الحق اسی طرح لاہور میں مسجد وزیر خاں۔ قلعہ لاہور اس کی نمایاں مثالیں ہیں اس کے مقابلہ میں راجپوتانہ اور مرکز میں پتھر کافی اور بآسانی دستیاب ہوتا تھا جس کی شہادت فتح پور سیکری کا تمام ماحول ہے اور کئی کوسوں تک سرخ پتھر میسر آتا ہے اسی طرح مکرانہ سے سنگ مرمر مہیا کیا جاتا ہے اس لئے وہاں کی عمارت میں پتھر بکثرت استعمال کیا گیا۔ بالخصوص اکبر کے دور میں ان علاقوں میں نہایت کثرت سے سنگ سرخ کی عمارات تعمیر ہوئیں اور شاہ جہاں کے عہد میں سنگ سفید کی فتح پور سیکری کی تمام عمارات اور محلات سنگ سرخ میں غرق ہیں۔ اسی طرح دہلی کی جامع مسجد۔ موتی مسجد لال قلعہ آگرہ میں تاج محل آگرہ اس طرز کی بہترین مثالیں ہیں۔ جس میں اس طرز تعمیر کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔

علاوہ ازیں جو مقامات مرکز سے زیادہ قریب تھے وہاں کے طرز تعمیر پر مرکز کا اتباع غالب ہے اور جو دور ہیں وہاں یہ اثر بہت کم ہے۔ اسی طرح شمالی ہند بالخصوص پنجاب اور ملتان چونکہ ایران سے نہایت قریب تھے اور ان میں جغرافیائی وحدت بھی موجود تھی۔ اس لئے ان علاقوں میں ایرانی طرز تعمیر بے حد مقبول ہوا۔ ملتان کی خشتی عمارات اور ان میں رنگین ٹائل ورک کا استعمال اس کی بین مثالیں ہیں۔ بلکہ یہ فن کاری تمام سندھ میں بھی رائج ہے۔ اسی طرح لاہور کی اکثر عمارات۔ خاص طور پر سب سے اعلیٰ اور ایرانی طرز کی بہترین عمارت مسجد وزیر خاں ہے۔ جو تمام تر خشتی طرز پر تعمیر ہوئی ہے اور نہایت کثرت سے اور بہترین کاشی کاری کی گئی ہے۔ رنگ وروغن کا ایک طوفان برپا ہے۔ اس کے علاوہ بہترین گل بوٹے۔ نہایت نفیس ونازک نقش ونگار نہ ختم ہونے والا صراحیوں۔ گلدانوں۔ پودوں۔ بیلوں اور پھولوں کا سلسلہ ایرانی اثر کی پوری پوری غمازی کرتا ہے۔

مذکورہ بالا جغرافیائی اسباب وعوامل کی بناء پر ہندی اسلامی فن تعمیر میں بے پناہ وسعت اور لامحدود تنوع پیدا ہو گیا۔ اور اس طرح اس فن تعمیر کی کامیابی وترقی کا سکوپ بڑھتا چلا گیا اور مقامی آب وہوا کو بھی ضرور مدنظر رکھا گیا۔

(۴) مذہبی اسباب

مذہبی عوامل نے ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقا میں جو حصہ لیا ہے وہ دیگر تمام عوامل سے بڑھ کر ہے مسلمانوں کی عمارات میں بقول پرسی براؤن "مسجد کو حصہ ۹۰ ہے - یوں سمجھو یا مفتاحِ اعظم کی حیثیت حاصل رہی ہے" اور ہر مسلمان غریب سے لے کر بادشاہ تک مسجد کو بہترین عمارت بنانے کی کوشش دسعی کرتا رہا ہے مسجد کے متعلق قرآنِ حکیم کے ارشادات اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نیز آپؐ کا طرزِ عمل تمام مسلمانوں کے لئے محرک ثابت ہوا بقول مولانا شبلی نعمانی

ہجرت کے بعد آپ نے پہلا کیا جو کام　　　تعمیرِ سجدہ گاہِ خدائے انام تھا

مسجدِ نبوی کی تعمیر میں آنحضرتؐ نے بہ نفسِ نفیس حصہ لیا۔ خود گارا اٹھایا۔ خود پتھر کاٹے۔ آپ کا جسمِ اطہر گرد و غبار سے آلودہ ہو جاتا تھا۔ اس چیز نے مسلمانوں کے دلوں میں مسجد کی تعمیر کے لئے بے پناہ عشق پیدا کر دیا۔ مثلاً اندلس میں مسجد قرطبہ کی تعمیر میں مسلمان حکمرانوں نے پشت ہا پشت تک تعمیر کا سلسلہ جاری رکھا۔ لکھی خزانوں کے منہ کھول دئے۔ اسی طرح ولید بن عبدالملک نے جامع مسجد دمشق کی تعمیر کی مسجد نبوی کی تجدید۔ توسیع اور تزئین کرائی۔ بیت المقدس میں نہایت عظیم الشان مسجد بنوائی۔ علاوہ ازیں بیسیوں دیگر مساجد تعمیر کیں۔ اور ان میں جس دریا دلی سے روپیہ خرچ کیا وہ آج تک یادگار ہے۔ اسی طرح مصر۔ قیروان۔ شام۔ عراق۔ افغانستان۔ ایران۔ ترکی میں بھی نہایت بلند پایہ اور بے مثال مساجد تعمیر کیں۔

ہندستان میں مسلمانوں نے قدم جمتے ہی مساجد کی تعمیر شروع کر دی۔ ابتدائی مساجد مغربی سواحلِ ہند اور سندھ میں تعمیر ہوئیں۔ لیکن ان کی صحیح تاریخ دستیاب نہیں۔

مگر جنوبی ساحل پر اب بھی ملبار مقام کھکل میں قدیم ترین مسجد موجود ہے جس پر کتبہ ذیل ہے:۔ "اسمعیل۔ مالک ۱۰۹ ۔ بن دینار" تین سطور میں قائم ہے بلکہ کولم اور دیگر مقامات ملبار میں اب بھی مساجد مالک بن دینار کے نام سے مشہور ہیں۔ اور کھنبایت بندر میں قاضی واڑہ میں مسجد صدرِ اول یعنی اول صدی کی تعمیر شدہ اب بھی مشہور ہے اگرچہ موجودہ وہ نہیں ہے۔ اور نہ ان میں کوئی اصل حالت میں پورے طور پر موجود ہے۔ اسلامی ہند میں مساجد کی اصل تاریخ مسجد قوت الاسلام سے شروع

ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے اس مسجد کی تعمیر کا مقصد کفار پر قوت و عظمتِ اسلام کا اظہار تھا اور یہ حقیقت ہے کہ اس مسجد کی عظیم الشان محرابیں۔ یادگاری نوعیت کی ہیں اور اسی کے ساتھ علائی دروازہ جس کی اعلیٰ گھڑیا کمانیں۔ پُرشکوہ پیشانی۔ نہایت نفیس و نازک (پتھر میں کندہ) نقش و نگار وغیرہ خوبیاں اس عمارت کو دنیا کی تمام عمارات میں نہایت بلند مقام پر جگہ دیتی ہیں پھر اس کے ساتھ ہی دُنیا کا سب سے بلند اور عظیم الشان مازینہ (قطب مینار) ہے اور جو خود ایک مستقل عمارت ہے نے اس کی عظمت و شوکت میں اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔

اس کے بعد ملک کے مختلف حصّوں میں مسلمان عظیم الشان مساجد اور عیدگاہیں تعمیر کرتے رہے اور ہر مابعد کی مسجد ہر ماقبل کی مسجد کے مقابلہ میں ہر لحاظ سے بڑھی ہوئی ہے۔ ہر مابعد کی مسجد میں محراب گنبد۔ کمانیں۔ مینار۔ ایوان۔ پیشانی غرضیکہ ہر چیز پہلے کے مقابلہ میں بے حد ترقی یافتہ ہے۔ اگر ہمارے سامنے اہم مساجد ہند۔ قوت الاسلام۔ اجمیر کی مسجد۔ عہد تغلق و لودھی کی مساجد۔ فتح پور سیکری کی جامع مسجد۔ جامع مسجد دہلی۔ اور پھر شاہی مسجد لاہور موجود ہوں تو یقیناً ایک ہی نظر میں یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ کیا بلحاظ ٹیکنیک۔ کیا بلحاظ نزاکت و نفاست فن کیا بلحاظ عظمت و شان اور کیا بلحاظ گنبد و محراب اور کیا بلحاظ تعمیری پختگی کے ہر بعد والی مسجد عموماً پہلی مسجد سے بڑھ کر ہے۔ گنبد کا ارتقاء ابتدائی مساجد سے شروع ہوتا ہے۔ شاہی مسجد لاہور میں اس کی معراج دیکھی جا سکتی ہے۔

غرضیکہ مساجد کی بدولت "ہندی اسلامی فن تعمیر" کو بے انتہا فروغ اور ارتقاء حاصل ہوا مساجد نے یہاں تک ترقی کی کہ یہیں مساجد کے ہمراہ مدارس۔ کالج۔ یونیورسٹیاں قائم ہوئیں جس کی مثال بہترین غزنی کی مسجد محمود غزنوی دی جا سکتی ہے۔

(۲) **مقابر**۔ تعمیری عوامل میں مقابر کی تعمیر نے بھی نمایاں حصہ لیا ہے اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ہندستان میں مقابر کی تعمیر نے وہ فروغ حاصل کیا جو دنیا بھر میں بے مثال ہے جبکہ مسلمانوں سے قبل قبور کا رواج ہی نہ تھا اور یہ نوع تعمیری ان کے آنے پر رائج ہوئی۔ عہد تغلق و لودھی کے مقبرے ان کے بعد نہایت حسین و جمیل شیر شاہ اور سلیم شاہ کے روضے۔ پھر اکبر کا مقبرہ۔ جہانگیر

کا مقبرہ۔ اور ان سب کے بعد ممتاز محل کا مقبرہ آگرہ میں جس کو دنیا "تاج" کے نام سے موسوم کرتی ہے صرف دنیا بھر کے مقابر ہی کا سرتاج نہیں بلکہ دنیا بھر کی تمام عمارات کا سرتاج ہے۔ یہ مقابر ایرانی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقاء کی ایسی منہ بولتی تصویر پیش کرتے ہیں جس کے سامنے دنیا کی دوسری عمارات ہیچ ہو کر رہ جاتی ہیں۔

اس ضمن میں امام باڑوں کا ذکر بھی غالباً بے محل نہ ہوگا۔ بالخصوص دکن میں جو عاشور خانے تعمیر ہوئے انھوں نے بھی فنِ تعمیر کے ارتقاء میں کافی حصہ لیا اور یہ بھی مذہبی بنا پر ہوئے اور اس سے قبل نہ تھے ان میں حیدرآباد کا بادشاہی عاشور خانہ قابلِ ذکر ہے یہ سالار جنگ کی ڈیوڑھی کے قریب ہے اور اسے عبداللہ قطب شاہ نے سنہ ھ میں بنوایا تھا اس طرح وہاں کی عمارت چار مینار بھی قابلِ ذکر ہے۔

اسی طرح خانقاہوں کی تعمیر نے بھی ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقاء اور فروغ میں اہم حصہ لیا ہے مسلمان مساجد کے ساتھ بالعموم خانقاہیں تعمیر کرتے تھے جنھیں دراصل تہذیبی ادارے کہنا بجا ہوگا۔ خانقاہ اور مساجد بہترین نمونۂ فنِ تعمیر پیش کرتے تھے۔ یہ چیزیں بھی فن کی ترقی میں ممد ہوئیں

نتیجہ

غرضیکہ ان تمام اسباب و عوامل (جغرافیائی۔ مذہبی۔ تمدنی۔ ثقافتی) نے دیگر عوامل کے ساتھ مل جل کر ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقاء میں حصہ لیا ہے اور یہ بات بے خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ برِ عظیم ہند و پاکستان میں انڈو مسلم (Indo-Muslim) فنِ تعمیر نے وہ عروج و فروغ حاصل کیا جس کو فنِ تعمیر کی دنیا میں معراج الکمال (climax) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یہ فنِ تعمیر کیا بلحاظ عظمت و شان کیا بلحاظ سنگین و استحکام۔ کیا بلحاظ پختگی و تجربہ اور کیا بلحاظ اصولِ فن دنیا کی تمام عمارات پر فائق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ظہور میں آنے سے قبل مسلم فنِ تعمیر مختلف تجرباتی مراحل و مدارج میں سے گذر چکا تھا۔ اور مسلم فنِ تعمیر کی تمام امتیازی خصوصیات مثلاً محرابیں، مقرنسی کمانیں۔ گنبد۔ خالص کمانی نظام وغیرہ نہ صرف معرضِ وجود میں آچکے تھے بلکہ تجرباتی مراحل طے کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ مسلم سلاطین کی سرپرستی فن۔ دیسی کاریگروں کی قدردانی اور حوصلہ افزائی۔ مال و دولت کی فراوانی اور ملکی امن و خوش حالی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور ایسی حیرت انگیز اور لاثانی عمارات معرضِ وجود میں آئیں جن کے سامنے دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ عمارات بے قدر و قیمت نظر آتی ہیں۔